



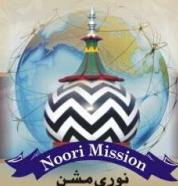
مفتی عظیم

کاڑہ و تقویٰ



بِرَّ الْعُلُومِ مفتی عبد المُنَان عظیم

پیش کش: رضا لائزیری مالیگاؤں



نوری مشن مالیگاؤں





وارث علم اعلیٰ حضرت
نبیرہ خجۃ الاسلام جایین مفتی ام ہند

جزگو شہ مفسر حنفی شیخ الاسلام و ملیقاضی القضاۃ تاج الشریعۃ

مفتی محمد احمد رضا خاں (قادی ازہری)

اور خانوادہ اعلیٰ حضرت کے دیگر علمائے کرام
کی تصییفات اور حیات و خدمات کے مطالعہ
کے لئے وزٹ کریں

www.muftiakhtarrazakhan.com



/muftiakhtarrazakhan1011/



/muftiakhtarrazakhan/



+92 334 3247192



سلسلہ اشاعت نمبر ۸۰

بفیض: تاج دار اہل سنت مفتی اعظم علامہ محمد مصطفیٰ رضا نوری علیہ الرحمہ و حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی زیر سرپرستی: امین ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری برکاتی مدظلہ العالی، مارہڑہ مطہرہ

مفتی اعظم کا زہد و تقویٰ

بجر العلوم حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی مصباحی علیہ الرحمہ
[سابق شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور]

ناشر: نوری مشن مالیگاؤں

ملنے کا پتا: مدینہ کتاب گھر، اولڈ آگرہ روڈ، مالیگاؤں Cell. 9325028586
سن اشاعت ۷/۱۳۳۴ھ / ۲۰۱۵ء ہدیہ: دُعا نے خیر

بسم الله الرحمن الرحيم
مصطفیٰ جان رحمت پلاکھوں سلام

انسانوں میں پائی جانے والی خوبیوں کی دو بنیادی قسمیں ہیں: (۱) ذاتی (۲) اضافی
آدمی کی اضافی خوبیوں سے ہماری مراد وہ بڑا بیاں ہیں جو کسی فرد کو کسی دوسرا بڑی چیز سے رشتہ اور علاقہ کی بنیاد پر حاصل ہوں۔ مثلاً۔ زید۔
بہت بڑا آدمی ہے اس لیے کہ ایک بہت بڑے آدمی کا لڑکا ہے، عمر۔ ایک بہت اونچا انسان ہے اس لیے کہ وہ ایک عالی خاندان کا فرد ہے،۔ بکر۔
ایک گریٹ جنٹل مین ہے، اس لیے کہ وہ ایک فیمس جگہ کارہنے والا ہے۔ الغرض! وہ ساری خوبیاں جو خود انسان میں نہ ہوں بلکہ کسی بڑی سوسائٹی کا
فرد، یا بڑے مقام کا باشندہ ہونے یا بڑے آدمی کے رشتہ ناطق کے ذریعہ آدمی کو بڑا بناتی ہوں، وہ ہمارے نزدیک اضافی خوبی ہے۔ ہر چند کہ یہ خوبی
انسان کی اصلی خوبی نہیں شمار کی جاتی۔ چنانچہ شعرانے اس کی مذمت کی، حضرت سعدی فرماتے ہیں ۔

ہنر بنا اگر دارینہ جو ہر
گل از خارست و ابراہیم از آزر

”تم میں کوئی خوبی اور کمال ہو تو دکھاؤ، تم اپنے حسب و نسب کی بڑائی نہ شمار کرو۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ پھول کانٹوں کے ہجوم میں مسکراتا
ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام آذربت پرست کے گھر میں ہوئے۔“
اور حدیث پاک میں اسی پر تقدیم کی گئی:

من ابطأ به عمله لم يسرع به نفسه۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۳۳، کتاب الحلم)

جس آدمی کو اس کا عمل سنت کر دے اس کو اس کا خاندان آگے نہیں بڑھا سکتا، بلکہ خود قرآن عظیم میں بھی بڑائی اور بزرگی کا معیار نسب کو نہیں
قرار دیا گیا۔ بلکہ اصلی اور ذاتی خوبیوں کو ہی کرامت کا معیار قرار دیا گیا۔
ارشادِ بانی ہے:

إِنَّا أَخْلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُغْبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَنْتَقْمَمْ۔ (سورة مجارات ۲۹ / ۱۳)

”هم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تحسین شاخص اور قبیلے کیا کہ آپ میں پہچان رکھو بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ
عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گا رہے۔“

مگر اضافی خوبی کی یہ ساری تنقید اسی صورت میں ہے کہ آدمی صرف اضافی خوبیوں پر ہی اترائے، ذاتی خوبیاں اس کے پاس کچھ نہ ہوں۔
ورنہ ذاتی خوبیوں کے ساتھ مل کر یہ اضافی خوبی بھی حسن و زیਆش کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک دفعہ صحابہ نے آپ (صلی اللہ
علیہ وسلم) سے عرض کیا:

من اکرم الناس یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بزرگ کون ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ النَّبِيُّ اللَّهُ بْنُ النَّبِيِّ النَّبِيُّ اللَّهُ بْنُ خَلِيلِ اللَّهِ۔

(بخاری شریف، حدیث ۳۳۷، احادیث کتاب الانبیاء، دارالکتاب العربي، بیروت)

”حضرت یوسف علیہ السلام سب سے بزرگ ہیں کہ خود نبی ان کے باپ نبی ان کے دادا نبی اور پردادا تو ابراہیم خلیل اللہ۔“

ایک دفعہ خود اپنا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ان اللہ اصطوفی کنانة من ولد اسماعیل و اصطوفی قریشان من کنانة و من قریش بنی هاشم

واصطفانی من بنی هاشم۔ (مشکوٰۃ المصانع، ص ۱۱۵، باب فضائل سید المرسلین، الفصل الاول، مجلس البر کات مبارک پور)
 ”اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیل میں سے قبیلہ بنو کنانہ کو منتخب فرمایا، اور بنو کنانہ میں سے قریش کے خاندان کا انتخاب کیا، اور قریش میں بنو ہاشم کو اعزاز بخشنا اور ان میں مجھ کو نبی مصطفیٰ اور حبیب رب الامانیا۔“

یہ دونوں حدیثیں ببا گنگ دہل اعلان کر رہی ہیں کہ نبی فضیلت اور خاندانی وجاہت بھی، باعثِ مدح و ستائش اور سببِ فضل و شرف ہے۔
 ایک اور حدیث میں تو آپ نے خود اپنی ذات سے نسبی اور سیمی علاقہ رکھنے والوں کی ایک غیر معمولی خوبی کا ذکر کیا۔ چنان چہ ارشاد ہے:

کل نسب و سبب یقطع یوم القیامۃ الانسیبی و صہری

(کنز العمال، حدیث ۳۱۹۱۵، بیت الافتخار الد ولیہ، الریاض)

”تمام رشتہ اور ناطقیات کے دن منقطع ہو جائیں گے میرے رشتہ اور ناطقے کے علاوہ۔“
 اور اسی علاقے پر مباحثات کرتے ہوئے حضرت مولانا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا۔

وبنت محمد خدنی و عرسی
 مسوط لحمها بدمنی و لحمی

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی میری ہم راز اور میری دلacen ہے، میرا اور ان کا خون اور گوشت ایک دوسرے سے مخلوط ہو گیا۔“

۔

الغرض! انسان کی اضافی خوبی بھی قابلٰ لحاظ خوبیوں میں سے ہے، جب کہ وہ ذاتی محسان سے عاری نہ ہو۔ پھر ذاتی محسان کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) وہی (۲) کبھی

وہی خوبیوں کے دائرے میں وہ محسان آتے ہیں جن کے حصول میں خود انسان کی اپنی کدوکاوش اور جدوجہد کو اتنا دخل نہیں ہو۔ جیسے رنگ و روغن کی خوش نمائی، قد و قامت کی دل رُبائی، اعضا کی موزونیت اور شخصیت کی دل کشی؛ اور کبھی خوبیوں کی تو ایک لمبی فہرست ہے جنھیں ذکر کرنے کی چند اس ضرورت نہیں، ہر شخص انھیں جانتا پہچانتا ہے۔

اور یہ دونوں خوبیاں فی الحقیقت ایسی ہیں جو انسان کے فضل و شرف کا معیار ہیں اور جن کی بدولت ایک کم حیثیت آدمی بھی اونچ ٹریا تک بلند پروازی کر سکتا ہے۔ بلکہ شہرت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچتا ہے۔ اس میں بھی آخر الذکر کو اول الذکر پر غیر معمولی فضیلت حاصل ہے۔ بریلی کے غیر مسلموں کی زبان میں۔ بڑے مولانا صاحب۔ اور پورے ہندوستان کے سُنُنیوں کی زبان پر۔ مفتی عظم۔ (علامہ مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی نوری بریلوی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی انھیں غیر معمولی انسانوں میں سے ہیں جنھیں قدرت نے اصلی اور اضافی وہی اور کبھی، سبھی قسم کی غیر معمولی خوبیوں سے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا تھا۔

اضافی خوبیاں:

سب سے پہلے میں آپ کی اضافی خوبیوں کا ایک شمہ بیان کرتا ہوں۔ آپ کے والد ماجد مجرد مائتے رابع عشر حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ العزیز انسانی شکل و صورت میں۔ آیة من آیات اللہ۔ (اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی) تھے۔ انھوں نے اپنی زبان کی لافانی تفسیری قوت، اپنی تحریر کا بے مثال زور اور اس کی غیر معمولی تاثیر روح اور اپنے بیکراں علم کا خزانہ عامرہ استعمال کر کے، بلکہ اپنی ذات کی تمام توانائیاں نچوڑ کر اسلام کے رُخ زیبا پر برجی ہوئی صدیوں کی گرد صاف کی، جس کے نتیجے میں اسلام کا حسن فطرت نئی آب و تاب کے ساتھ دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوا اور اسی وجہ سے اہل حق نے آپ کو۔ مجدد۔ گردانا اور اہل زلخ نے۔ بدعتی۔ کہا، یہ ان کی نگاہوں کا قصور اور طرزِ ادا کی خرابی تھی؛ ورنہ انھوں نے بھی وہی دیکھا جو ساری دنیا کے حق پرستوں کو نظر آیا اور جسے حدیث مبارک میں بیان کیا گیا:

ان الله عزوجل يبعث لهذه الامة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها (ابوداؤد، مشکوٰۃ مع مرآۃ، ص ۲۱۳) ان الله تعالیٰ يبعث على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها۔

”بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی میں ایک مجرد مجموعہ فرماتا ہے، جو دین کوئی آب و تاب دیتا ہے۔“

آپ کے دادا حضرت مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقت کے امام اور اہل دل صوفیوں کے سرخیل تھے۔ صاحب تصانیف کثیرہ اور حق پرست خوش عقیدہ مسلمانوں کے سالاری کارروائی تھے۔ مولوی رحمن علی صاحب اپنی کتاب ”تذکرہ علماء ہند“ میں فرماتے ہیں:

”ذہن ثاقب و رائے صائب داشت، خداۓ تعالیٰ وے را بعقل معاد و معاش ممتاز اقران آفریدہ بود۔ علاوه شجاعت جبلی بصفت سخاوت و تواضع واستغنا موصوف بود۔ عمر گراں مایہ خود باشاعت سنت وازاں بہت بسر بردا۔“

”آپ تیز ذہن اور درست رائے رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاو و معاش کی دانش و ری میں اپنے زمانہ والوں سے ممتاز بنایا تھا۔ ان میں فطری شجاعت کے ساتھ سخاوت، تواضع اور بے نیازی بھی تھی۔ اپنی پوری عمر سنت کی حمایت اور بدعت کی نکایت میں بس رکی۔“

آپ کے دادا رضا علی خان رحمۃ اللہ علیہ عارف کامل اور خدار سیدہ بزرگ تھے، ساکان را وجہ اور رہ روائی را ہلکا۔ دونوں ہی آپ کی عظمت و سیادت کے معرفت تھے۔ چہرہ دیکھ کر نو شیۃ تقدیر پڑھ لیتے اور حال کے آئینے میں مستقبل کی تصویر دیکھ لیتے۔ مجدد مائتہ رابع عشر حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کو ولادت کے بعد آپ کی گود میں رکھا گیا۔ دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا: میرا یہ بیٹا بہت بڑا عالم دین ہو گا۔

الغرض! جہاں تک آپ کے نسب کا سلسلہ تاریخ کی روشنی میں ہے۔ سلسلہ کا ہر فرد گل سرسبد اور ہار کی ہر لڑی۔ واسطہ القلا دہ۔ ہے؛ لیکن اوپر پانچویں پشت میں حضرت محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے؛ کیوں کہ انہوں نے بھی دولت و ثروت کو لات مار کر زہد و تقویٰ اختیار فرمایا۔ اور ایک حکمران خاندان آپ ہی کی ہمت اور اولو العزمی سے علم و عرفان کی راہوں پر چل پڑا۔ خود یہ بھی سلطان شاہ محمد خان کے وزیر اور ان کے والد سعادت یار خان وزیر مالیات، اور دادا حضرت سعید اللہ خان صاحب ملقب بہ شجاعت جنگ بہادر منصب شش ہزاری پر فائز تھے۔ اور یہی وہ بزرگ ہیں جو قندھار سے ہندوستان تشریف لائے۔ جن کی وجہ سے چودھویں صدی میں تجدید و احیاء دین کی دولت ہندوستان کے حصے میں آئی۔ لپس آبا و آجداد کی شرافت و کرامت اگر کسی انسان کی عظمت میں چار چاند لگاتی ہو تو حضور مفتی عظیم کو یہ حق پہنچتا ہے کہ کہیں ۔

اوئنک آبائی فجئنی بمثلهم

اذا جمعتنا يا جرير المجامع

”یہ ہمارے آبائے کرام ہیں۔ اے جریر اگر قوموں کی بھیڑ میں تمھیں کوئی ان کا مثل مل سکتے تو لاو۔“

وہی خوبیاں:

اس عنوان کے تحت میں سخت البحص میں ہوں کہ قارئین پر اپنا مافی افسوس طرح ظاہر کروں۔ کیوں کہ قامت کی دل کشی، ناک نقشہ اور چہرہ مہرہ کی دل رُبائی، رنگ و رونگ کے حسن، اعضا کی موزونیت، عادات و اطوار کی لطافت اور شخصیت کی دل آؤیزی کے بارے میں، اگر کسی جوان عمر انسان کا ذکر کیا جائے تو بات قرین قیاس ہے۔ لیکن یہاں ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو عمر کی اسی منزلیں طے کر چکا تھا۔ سارے بال سفید ہو گئے تھے۔ قامت کا وہ تناؤ جو جوانی کے ساتھ مخصوص ہے ختم ہو چکا تھا اور جسم کی کھال کہیں کہیں سکڑی معلوم ہوتی تھی، ان سب کے باوجود حال یہ تھا کہ جس راستے سے گزر جائیں، دیکھنے والوں کی بھیڑ لگ جائے۔ جس محفل میں بیٹھ جائیں، لوگ ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہ جائیں۔ جس سے مصافحہ کر لیں وہ اسے اپنی سعادت قصور کرے۔

یہاں دونوں کا ذکر ہے جب آپ بیمار چل رہے تھے۔ ضعف و نقاہت کی وجہ سے آپ نے باہر کا سفر اور گھر کا دربارِ عام دونوں ہی موقوف کر دیا تھا اور تھوڑی دیر کا بیٹھنا بھی آپ پر بار تھا۔ عرسِ رضوی کے موقع پر لوگ بڑی جدوجہد کے ساتھ حضرت کو سہارا دے کر تھوڑی دیر کے لیے محل قل میں لائے۔ انتقامِ قل کے بعد مصافحہ کے لیے جوانانوں کا ریا چلا ہے تو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ بڑی مشکل سے لائن بنائی گئی۔ مگر جو آتا مصافحہ کے بعد دست بوسی اور درست بوسی کے بعد قدم بوسی، پھر قدم بوسی کے لیے جھکنے والے پر آپ کی ناگواری، اس کوہا تھے سے روکنا اور استغفار اللہ استغفر اللہ پڑھنا۔ الغرض! جو آتا ملنہیں چاہتا تھا۔ اور آپ کے قرب کی دولت کو نعمتِ ابدی تصور کرتا۔ لوگ اس درجہ خود غرض ہو گئے تھے کہ انھیں حضرت کی کم زوری اور تکلیف کا بھی مطلق خیال نہ رہ گیا تھا۔

میں نے حضرت کی غیر معمولی تکلیف کا خیال کر کے لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی حضرت کے سامنے سے ہٹانا شروع کیا۔ آپ نے دو ایک دفعہ ہاتھ میری طرف اٹھایا۔ مگر میں نے مطلب نہیں سمجھا؛ تو مولا نارحمانی میاں صاحب نے فرمایا: سختی سے لوگوں کو نہ ہٹائیے، وہ بھی اپنے جذبہ شوق سے مجبور ہیں۔ میں نے دل میں سوچا سبحان اللہ یہ لوگ حصول برکت کی دھن میں اندھے ہو گئے ہیں اور اپنے اظہارِ شوق سے حضرت کو غیر معمولی تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ یہ لوگ تو مارنے کے لائق ہیں۔ اور خود حضرت کا یہ حال ہے کہ ان کی دل شکنی نہ ہوا اور عانیں ٹھیس نڈگ جائے آئیں کیونکہ اس کو

پھر دل ان کے اتباع سنت کے وقار سے معمور ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کا بھی یہی بیان ہے کہ خود تکلیف اٹھا لیتے ہیں لیکن دوسروں کی دل شکنی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک صاحب آپ بیتی بیان فرماتے ہیں:

مارا یات معلمًا قبله و لا بعده احسن معلمًا منه فوَاللَّهُ مَا كَهْرَنَى وَلَا ضَرَبَنَى وَلَا شَتَمَنَى قَالَ: إِنَّ هَذَهُ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ۔

(مسلم شریف، حدیث ۱۱۹۹، کتاب المساجد و موضع الصلاة، دارالكتاب العربي، بیروت)

”ایک انجان اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشا ب کر ڈالا، آپ نے نہ انھیں مارا نہ جھٹکا، نہ مسجد صاف کرنے کا انھیں حکم دیا، بلکہ نرمی سے انھیں سمجھایا، فرمایا: مسجد میں اس کام کے لیے نہیں اور صفائی کا دوسرے کو حکم دیا۔

یہ تو ایک جملہ معتبر رہ تھا؛ گزارش یہ کرنی تھی، لوگوں کے اس جذبہ شوق اور وارفتگی کا سبب آپ کی شخصیت کی دل کشی کے علاوہ اور کیا تھا؟ ہو سکتا ہے یہاں کسی کو خیال ہو۔ مذکورہ بالا واقعہ میں جس رجوعِ عام اور اظہارِ شوق کا ذکر کیا گیا ہے اس کا سبب آپ کی شخصیت کی دل کشی نہیں، بلکہ روحانیت اور بزرگی ہے۔ تو میں گزارش کروں گا کہ میں یہاں جس دل کشی کا ذکر کر رہا ہوں اس میں بزرگی میں کوئی مناسبت نہیں۔ میں یہاں کسی جوان العمر شخصیت کی دل کشی کا ذکر بھی نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو ایک ایسی شخصیت کا ذکر کر رہا ہوں جس میں یہ دل آؤزی، یہ جمال اور یہ دل کشی اس کی روحانیت اور بزرگی ہی نے پیدا کی ہے۔

أَنَّ الَّذِينَ أَمْنَوْا وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ سَيُجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وَدَارُ

(سورہ مریم / ۹۶)

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اللہ پاک مخلوق کے دل میں ان کی محبت پیدا فرماتا ہے۔“

پھر بھی میں ایک ایسا واقعہ ذکر کر رہا ہوں جس میں مذکورہ بالاشہبہ کی بھی گناہ کش نہیں۔

ایک دفعہ ملکتہ سے واپسی پر ہوڑہ اسٹیشن پر حضرت (مفتی اعظم) کا ساتھ ہو گیا۔ کچھ لوگ پہنچانے کے لیے بھی آئے تھے۔ گاڑی میں ابھی دیر تھی اور بچیں ساری بھر گئی تھیں۔ اس لیے زین پر ہی حضرت کے لیے فرش بچھا دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ سیکڑوں مسلموں اور غیر مسلموں نے آپ کو گھیر لیا۔ نہ کبھی کی دید نہ شنید، نہ تعارف مگر ہر انجان جانے کی کوشش کر رہا ہے کہ کون بزرگ ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ کہاں آئے تھے اور کہاں جائیں گے؟

میں کہوں گا عرس کی تقریب میں تو اس قبولِ عام کی وجہ عقیدت مندوں اور مریدوں کی معرفت تھی۔ ہوڑہ اسٹیشن پر انجانوں میں اس قبولِ عام کا سبب آپ کی پرکشش شخصیت کے علاوہ اور کون سی چیز تھی۔ سراپا پر نظر پڑ گئی اور جم کر رہ گئی، قدم ڈک گئے اور دل بے اختیار کھپنے لگے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

صداقت ہو تو دل سینے سے کھپنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

خود میری وارفتگی اور گرویدگی کا سبب حضرت کا کوئی غیر معمولی علمی کارنامہ یا اُن کی عظیم بزرگی اور خدار سیدگی نہیں ہے۔ مجھے پہلے سے اتنا معلوم تھا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہیں؛ مگر جب دیکھا تو یہ اُن کی شخصیت کی دل کشی ہی تھی جس نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ زندگی میں انھیں سیکڑوں بار دیکھا اور مختلف حالتوں میں دیکھا، مگر جب دیکھا جلال و وقار، حسن و دل کشی کا مرتع دیکھا اور جس حال میں دیکھا

اُن کی ہر آدال کو بھاتی رہی۔

میں نے اُن کو بیٹھ کر تعویذ لکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور بیش ترا وقات وہ تعویذ ہی لکھتے رہتے تھے۔ سر پر قیمتی بھاگل پوری عمامہ، جسم پر قیمتی چکن کا نہایت صاف کرتا، اس پر سنگھائی، پولسٹر یا قیمتی کپڑے کی رنگین صدری، گلے میں گلب کے پھولوں کا خوش نما ہار، پیر میں علی گڑھی پا چمامہ، جو چھاٹی کا بھی ہوتا اور ٹیری کاٹ کا بھی، جتنا جسم کپڑے سے باہر ہوتا نہ چونے کی طرح سفید نگیہوں کی طرح سرخ بلکہ سفید گیہوں کی طرح دودھیا۔ اور چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک (حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہ چمک شب زندہ داروں اور تجدُّر گزaroں کی علامت ہے) بیاں زانوز میں پر رکھا ہوا اور دیاں کھڑا ہوا، اسی پر رکھ کر تعویذ لکھتے رہتے تھے۔ کاغذ پر تعویذ کے خانوں کی لکیر لوگ بائیں سے کھینچتے ہیں۔ آپ دائیں سے ہی بلا تکلف نہایت صاف سیدھی لکیریں بناتے تھے۔ کاغذ چھاڑنے کے لیے اس کو موڑنے اور نشان ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ تعویذ کمکمل ہو گیا تو دیکھ کی انگشت شہادت کے اشارے سے اور بائیں ہاتھ سے کاغذ دبا کر، جہاں سے ضرورت ہو بقیہ کاغذ آہستہ آہستہ الگ کر لیا اور کاغذ کبھی بے قاعدہ یا غلط نہیں پھٹتا تھا۔

اب میں کیا عرض کرو؟ عمامہ میں شان دار نظر آتے یا بد وضع، عام طور پر لوگ عمامہ اہتمام سے ہی باندھتے ہیں مگر حضور مفتی عظم رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے کبھی بھی عمامہ اہتمام سے باندھتے نہیں دیکھا، باندھنے کی بجائے اس کو پیٹھا کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ مگر زندگی میں کم لوگوں کو دیکھا جن کے سر پر عمامہ اتنا خوب صورت معلوم ہوتا ہو۔ معلوم ہوتا تھا کہ عمامہ کی وضع انھیں کے فرقِ اقدس کے لیے ہوئی ہے۔

یوں ہی علماء کرام میں ایک سے ایک مرصع لباس پہننے والے ملے۔ ان کی بڑائی کی وجہ سے میں ان کے لباس پر خاموش رہا ہوں یا اور بات ہے کہ دل میں ہمیشہ ناگواری ہی رہی اور سادہ پسندی کی وجہ سے اکثر و بیش تر علماء کرام کا میں شاکی ہی رہا، مگر اقرار کرتا ہوں کہ حضور مفتی عظم رحمۃ اللہ علیہ کے لباس فخرہ کو میں نے ہمیشہ مستثنیٰ قرار دیا اور دل نے ہر بار یہی فیصلہ دیا کہ جس کے جسم پر لباس ایسا پھینتا ہو اس کو بلاشبہ ہر عمر میں ایسا ہی لباس پہننے کا حق حاصل ہے۔ واللہ العظیم۔ میں نے اتنا جامد زیب انسان وہ بھی اتنا بوڑھا دیکھا ہی نہیں۔

مالا گلب کی ہو یا گیندے کی مجھے کبھی نہیں بھائی، اگرچہ خود بھی پہنا اور لوگوں کو بھی پہننے ہوئے دیکھا، مگر حضور مفتی عظم رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کے گلے میں سرخ گلب کی مala ایسا زیب دیتی تھی کہ بار بار جی چاہا کہ ایک مala خرید کر میں بھی گلے میں ڈال دوں۔ پھولوں کے ہجوم میں آپ کا چہرہ خود ایک پھول نظر آتا تھا۔

میں نے ان کو چلتے ہوئے بھی دیکھا ہے: مذکورہ لباس پر دیبیز پولسٹر چکن کی ایک نیچے دامن، پوری آستین، بنگلے گلے کی عبا کا اضافہ ہو جاتا۔ دیکھنے میں عصا اور بائیں کو موڑ کر اس میں ایک رومال دا بے ہوئے رہتے۔ دور سے معلوم ہوتا ایک خوب صورت گل دستے ہوئے ہوئے حرکت کر رہا ہے، اس آہنگی اور نرمی سے زمین پر قدم رکھتے تھے کہ معلوم ہوتا پھول بر سر رہے ہیں۔ میں نے بار بار سوچا سبحان اللہ! زمین پر نرم قدم رکھ کر اور سرجھ کا کر چلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ جب اس سنت رسول کی نقل اتنی دل کش ہے تو صاحب سنت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل رفتار کس درجہ حسین و دل رُبَاری ہوگی؟

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بھار پھرتے ہیں

میں نے آپ کو دسترخوان پر کھاتے بھی دیکھا ہے: جبل پور میں حضرت مولانا برہان الحق زید مجدد ہم کے یہاں آپ مہمان تھے۔ دسترخوان نہایت مکلف اور وسیع تھا۔ اس علاقہ میں کڑھی بڑے اہتمام سے پکتی ہے، جو اتفاق سے حضور مفتی عظم کو بھی مرغوب تھی۔ دسترخوان پر وہ بھی سامنے رکھی ہے، آپ ہاتھ سے اس کی پلیٹ ذرا اور کھسکار ہے ہیں، اور فرماتے ہیں مجھے زکام ہوا ہے، یہ نقصان کرے گی، اور لوگ منت و سماجت

کر رہے ہیں، نہیں حضور یہ تو زکام کو مفید ہے۔ اس سے زکام بھہ کر صاف ہو جاتا ہے۔ الغرض! کافی عرض و معروف کے بعد آپ نے اس سے تھوڑا شوق فرمایا۔ سُرخ مرچوں اور لہسن کی چٹنی بھی آپ کو پسند تھی۔ روٹی کا چھلکا شوربے میں ڈبو کر اس طرح منہ میں رکھتے کہ ہاتھ کا کم سے کم حصہ آلوہ ہوتا۔ تین انگلیوں سے کھانے کا انداز مسنون ہے۔ یہ حدیثوں میں پڑھا تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر اس کی عملی مشق بھی فراہم ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ یہ ہنگ حسن و نفاست سے بھر پور اور آنکھوں کو بھی بھلا لگنے والا ہے۔

مختصر لفہم میں رکھ کر منہ بند کر کے دیر تک چلاتے رہتے۔ ساتھ ہی سر کو بھی تھوڑی جنبش ہوتی رہتی۔ مجھے ان کے اس طرح منہ چلانے کا انداز بھی بے حد بھلا لگتا اور ان کے ساتھ دستر خوان پر میں کام وہن کی لذت کے ساتھ حسن نظارہ کا کیف بھی حاصل کرتا تھا۔ ایک دفعہ متوائیشن پر اپنے ساتھ کھانے پر بٹھا لیا۔ میں اپنی عادت کے موافق لمبے لمبے ہاتھ مارنے لگا۔ اور حضرت اپنی عادت کے موافق تناول فرمانے لگے۔ تھوڑی دیر میں مجھے احساس ہوا کہ میں حضرت کے ساتھ کھانے کے لاکن نہیں اور حسن و ادب کے ساتھ کھانے کا سلیقہ بھی ایک نن ہے۔

ایک دفعہ آپ ٹرین میں سفر فرم رہے تھے۔ ڈبے میں کسی غیر مسلم نے باعثیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا: میاں کھانا دائیں ہاتھ سے کھاتے ہیں۔ اس نے جواب میں کہا: بابا میں مسلمان نہیں۔ مطلب یہ کہ مسلمان ہوتا تو دائیں ہاتھ سے کھاتا کہ دائیں ہاتھ سے کھانا سنت ہے۔ آپ نے فرمایا، ارے میاں مسلمان نہیں ہوتا انسان تو ہو۔ سبحان اللہ! کیا عمدہ ہدایت ہے کہ باعثیں ہاتھ سے کھانا انسانیت کے بھی خلاف ہے۔

ایک دفعہ دعوت میں کھانے کے بعد کسی نے لائف بوے صابن سے ہاتھ دھلانا شروع کیا۔ فرمانے لگے: سبحان اللہ! کھانا کتنا عمدہ کھلایا اور ہاتھ اتنے بد بودا ر صابن سے دھلایا۔ کھانے کے بعد کوئی خوش بودا ر صابن ہونا چاہیے۔

آپ کے کھانے کی نشت بھی عموماً ایک زانو موز کا اور دوسرا کھڑا کر کے ہوتی، میں نے آپ کو چار زانو بیٹھے کبھی نہیں دیکھا۔ سفر میں چاہے کتنے روزگز رجا نہیں مشتبہ اور دوکان کے کھانے سے پرہیز کرتے۔ حق مسلسل خوش کرتے مگر ہر کش نہایت خوش گوارا اور بالسلیقہ ہوتا۔ الغرض! آپ کا کھانا بھی حسن و نفاست اور خوش نمائی کا ایک خوش گوار عمل ہوتا اور جب آپ دستر خوان سے اٹھتے تو معلوم ہوتا کہ آپ نے کھانا نہیں کھایا ہے، دستر خوان کو نواز ہے۔

میں نے آپ کو بستر پر آرام کرتے بھی دیکھا ہے: پہلی بھیت میں عرسِ حشمتی کے موقع پر بعد قل مولانا مرحوم کے آنگن میں ہی حضرت کے لیے بستر لگا۔ میں نے دیکھا فی الوقت کوئی خادم نہیں ہے۔ تو تھوڑی دیر میں نے ہی پاؤں دبایا۔ آپ کے افعال ممتازت و آہستگی دیکھ کر یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ کا جسم بے حد طامم اور نرم ہو گا۔ مصافحہ کے وقت ہاتھ کی نرمی سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا۔ لیکن مجھے جیرت ہوئی کہ آپ کی پنڈلیاں اور رانیں کافی سخت محسوس ہوئیں۔ دائیں کروٹ رُخسار کے نیچے ہاتھ رکھ کر، اور پاؤں ذرا سمیٹ کر آرام کر رہے تھے۔ سونے کے اس انداز کے بعد مجھے دوسرے تمام طریقوں پر تقيیدی نظر ڈالنی پڑی، اور اس کے مقابلے میں سب کو ہی رد کرنا پرا۔ پڑ سونے کی توحیدیث شریف میں ممانعت آئی ہے۔ چت ہاتھ پاؤں پھیلا کر سونے میں مردے کا گمان ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ زندگی اور زندہ دلوں کا سونا وہی ہے جو۔ سنت رسول۔ ہے اور حضور مفتی اعظم جس پر کار بند تھے۔

آپ کی نماز کا منظر بھی دیکھنے کا ہوتا تھا: گھر سے آپ کے برآمد ہوتے ہی کئی آدمی آپ کو آگے پیچھے سے گھیر لیتے، اور مسجد کے دروازہ تک پیچھتے پیچھتے جو مشکل سے پچاس قدم کی دوری پر ہو گا، کسی کو دست بوسی کا شرف بخشتے۔ کسی کو مصافحہ سے نوازتے اور کسی کے سلام کا جواب دیتے۔ اتنے میں مسجد کے دروازے میں داخل ہوجاتے۔ نہات ممتازت و آہستگی سے اللہم افتح لی ابواب رحمتک پڑھتے اور عمامہ اُتار کر وضو کے لیے بیٹھ جاتے۔ جو شخص عام انسانوں کے سامنے کبھی بھی سرکھوں کرنے آیا ہو؛ جس کو لوگوں نے علی العوم، تاج کرامت اور کلادی عزت کے ساتھ دیکھا ہوا اور جو مسجد میں ابھی اس شکوہ کے ساتھ داخل ہو۔ وہ اپنے رب کے حضور یوں ننگے سر ہو کر خادمانہ حاضر ہو، یہ دیکھ کر دوسروں میں

بھی جذبہ عبودیت ملئے گلتا تھا۔ خادم ایک بڑے لوٹے میں نصف کے قریب پانی پاس ہی رکھ دیتا اور آپ اسی متوضاء پر تشریف فرماتے ہو تو جہاں وضو کے لیے پائپ لگتے ہوتے ہیں۔ پہلی بار جب میں نے یہ حالت دیکھی تو مجھے یہ طول عمل معلوم ہوا۔ لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ میں سے وضو کرنے میں پانی زیادہ ضائع ہوتا ہے اس لیے حضرت مل سے وضو پسند نہیں کرتے کہ وضو میں پانی کا ضائع کرنا۔ اسراف ہے۔ میں نے پوچھا پانی کیوں آدھا لوٹا رکھا گیا تو معلوم ہوا کہ لوٹا بھر دیا جائے تو حضرت کے ہاتھ سے اٹھنے سکے گا۔ خیال ہوا کوئی دوسرا وضو کر دیتا، دوسرے لمحے خیال آیا وضو خود ہی کرنا مستحب ہے۔

سارے اعضا سنت کے موافق مکمل طور پر دھلتے۔ چہرہ دھلتے وقت البتہ دسیوں بار آنکھوں پر پانی کے چھینٹے دیتے چوں کہ کسی کے دل میں یہ خیال آسکتا تھا کہ کہاں تو پانی کے استعمال میں وہ احتیاط اور کہاں یہ کشادہ دستی، دفع شہبہ کے لیے خود ہی فرمادیتے۔ بار بار آنکھیں چپک جاتی ہیں یعنی آنکھ سے بطور مرض جو پانی نکلے ناقص وضو ہے۔ پورے وضو میں۔ ادعیہ ما ثورہ۔ کی تلاوت پست آواز میں جاری رہتی۔

ارکان نماز کی ادائیگی میں تو معہود طریقہ ہی بر تھے، لیکن خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ پوری نماز میں آپ کے وجود پر عبودیت کی شان اور بندگی کا جمال طاری رہتا تھا۔ دیکھنے والا دور سے ہی فیصلہ کر لیتا تھا کہ ایک مومن قانت نے اپنے مولا کی رضا جوئی کے لیے اپنے وجود کو عجز و درمانگی اور عرض والتماس کے سانچے میں ڈھال لیا ہے۔ و قو مو اللہ فانتین۔

آخری اوقات میں جب ضعف و نقاہت میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا اور بیٹھے رہنے میں بھی تکلیف ہوتی تھی۔ یہ دیکھا گیا کہ مسجد میں جب تک بیٹھے ہیں مسلسل کراہ رہے ہیں۔ اٹھتے ہیں تو سہارا دیا جاتا ہے۔ بیٹھتے ہیں تو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چلتے ہیں تو لوگ دونوں طرف سے سنبھالے رہتے ہیں۔ لیکن جیسے ہی تقبیر شروع ہوئی ایسی چستی کے ساتھ کھڑے ہو جاتے جیسے کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔ پوری نماز قیام و رکوع کے ساتھ نہایت تن دہی اور مستعدی کے ساتھ ادا کرتے اور اُف تک کی صد الیب تک نہ آتی۔ جیسے قیام و قعود اور رکوع و تجوید کی مشقتیں نہ شیطِ الہی اور خوف رب انی میں تخلیل ہو گئی ہوں کہ ارشادِ الہی ہے:

وَإِنَّهَا الْكَبِيرَ قَالَ أَعْلَى الْخَشِعِينَ۔ (سورہ بقرۃ / ۲۵ / ۲۵)

”بے شک نماز سخت بوجھل اور گراں ہے مگر اللہ کے خوف سے ڈرنے والوں کے لیے۔“

یا یوں کہیے کہ ساری کلفتیں راحت و آرام میں بدل گئیں کہ ارشادِ نبوی ہے:

قرة عینی فی الصلوة۔ ”میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین نماز ہے۔“

ہماری مذکورہ بالتحریر کا مقصد یہ تھا کہ علم و فضل و تقوی و طہارت اور دیگر اخلاقی فاضلہ سے قطع نظر خود آپ کی ذات با برکات بھی اتنی پر کشش تھی کہ بے اختیار دل مائل ہونے لگتے، آنکھیں فرطاعقیدت سے جھکنے لگتیں اور روح کی دُنیا مسخر ہونے لگتی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات مبارک پر تسبیح قلوب و اطاعتِ اذہان اور محبو بیت عيون و ابصار کی خلعت فاخرہ ڈال رکھی تھی۔ اس سلسلے کی ایک اور خاص بات جس کو میں نے نوٹ کیا اور جو آپ میں اور شموگ کے ایک بزرگ حضرت درویش بابا میں، میں نے مشترک دیکھی یہ تھی کہ اخیر عمر میں جب جسم کھل کر بالکل ہاڑرہ گیا تھا۔ اس وقت بھی چہرہ پر گوشت اور نہایت بارونق تھا۔ چہرہ دیکھ کر کوئی یہ اندازہ ہی نہیں لگا سکتا تھا کہ اندر سے یہ اس درجہ ڈبلے ہوں گے۔ حضرت درویش (بابا) کو تو میں بار بار دیکھ چکا تھا۔ لیکن حضور مفتی عظیم رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح دیکھنے کا زندگی میں صرف ایک بار موقع ملا۔ جب ایک دفعہ بغل بنوانے کے لیے لوگوں نے جسم سے کپڑا ہٹایا تو مجھے شدید احساس ہوا کہ چہرے اور جسم کے اس تفاوت کی خصوصیت حضرت میں بھی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ تسبیح خلائق اور شخصیت کی دل کشی کا جو ہر بھی روحانیت کی برکت اور قربت خدا اور رسول کا ہی ثمرہ ہے۔

کبی محسن:

حضور مفتی عظیم رحمۃ اللہ علیہ کے کبی کمالات کے لیے تو ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ وہ ایک بہت بڑے عالم تھے۔ سوادِ عظم اہل سنت و جماعت کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ متعدد دینی کتابوں کے بالغ نظر مصنف تھے، ابیل دل صوفی اور بامکال بزرگ تھے، بلکہ میرے

نہ دیکھ معمولات ذکر و فکر میں ان کی ایک مجتہدانہ شان تھی، وعظ و تقریر نہیں فرماتے تھے، لیکن لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے ان کے چند جملے بھی بھی تقریروں پر بھاری تھے۔ دادو، شش اور بذل و عطا میں شاہانہ انداز تھا۔ مذکون۔ مدرسہ مظہر اسلام۔ ان کے ذاتی صرف سے چلتا رہا۔ انہوں نے ہزاروں مقدمات کا منصافانہ فیصلہ فرمایا۔ مختصر یہ کہ آپ کی کبھی خصوصیات سے متعلق اسی طرح کے میںیوں عنوان ہیں اور ہر عنوان قلم سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ مگر اس مختصر مضمون میں ان سب کی گنجائش کہاں۔ میں اس وقت صرف اتباع شرع و متابعت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں چند مثالیں پیش کر رہا ہوں۔

(۱) جمعہ کے دن مصلیوں کی گردون پھلانگ کر آگے جانے والوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وعید ہے:

من تخطی رقاب الناس يوم الجمعة اتخاذ جسر الی جهنم

(مشکوٰۃ شریف، حدیث ۹۲، دار الفکر، بیروت)

”جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گرد نیں پھلانگیں، اس نے جہنم کی طرف پل بنایا۔“

اس فرمان والا شان کے بموجب شریعتِ اسلامیہ کا حکم ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں مصلیوں کی گردون پھلانگ کر آگے جانا شرعاً منوع اور معصیت ہے۔ ہاں اگلی صفائی والوں نے جگہ چھوڑ رکھی ہوتا سے پُر کرنے کے لیے آگے جایا جاسکتا ہے، کہ صفائی پُر کیے بغیر پیچھے بیٹھ کر ان لوگوں نے اپنی حرمت خود ضائع کی۔

اس شرعی مسئلہ کو مد نظر رکھ کر مندرجہ ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

۳۵۔ سال پہلے کی بات ہے کہ اشرفیہ کے سابق ناظم الحاج محمد عمر صاحب مرحوم کے خلف الصدق حضرت مولانا ثنا راحمد صاحب غالباً پہلی بار مبارک پور میں حضور مفتی عظم رحمۃ اللہ علیہ کو لائے اور آپ کی یہ تشریف آوری بالکل بخی اور بغیر کسی سابقہ اطلاع کے صرف شخصی دعوت پر ہوئی، اس لیے عوام اہل سنت تو کیا، اشرفیہ کے لوگوں کو بھی اس کی پیشگوئی خبر نہ ہو سکی۔ دن جمعہ کا تھا، جمعہ کے وقت مولانا ثنا راحمد صاحب حضرت کو لے کر اس وقت پہنچ کے مسجد بھر چکی تھی، موسم گرمی کے تھے اس لیے مصلیوں کی آخری صفائی دھوپ سے بچنے کے لیے بالکل مسجد سے ملی جلی مسجد کی پوربی دیوار کے سایہ میں پیش ہوئی تھیں۔

حضرت کرتا پائجامہ اور غالباً زر درنگ کی صدری اور دوپلی ٹوپی اور ڈھنڈے ہوئے تشریف لائے، گرمی سے بچنے کے لیے تو لیہ سر پر ڈال رکھا تھا۔ آج سے لگ بھگ تیس پہنچتیں سال قبل اہل مبارک پور کے دل میں، علماء مشائخ کی جو قدر و منزلت تھی، ادھر حضرت کا پر نور چہرہ اور دل کش شخصیت پھر ساتھ میں مولانا ثنا راحمد لوگوں نے دیکھتے ہی اندازہ لگالیا کہ کوئی بڑے عالم دین ہیں، اچھے بزرگ ہیں، اور ادھر ادھر کھسک کر آگے جانے کے لیے آپ کو راستہ دینے لگے کیوں کہ مسجد میں علماء کے ساتھ ان کے احترام عقیدت کا یہی معمول تھا۔ لیکن حضور مفتی عظم دھوپ میں ہی تو لیہ بچھا کر سب سے پیچھے بیٹھ گئے؛ اصرار کے باوجود آگے نہیں بڑھے۔ یہ سارا واقعہ ادھر بھی ہورہا تھا جدھر میں تھا۔ نماز کے بعد میں نے معلوم کرنا چاہا یہ کون بزرگ تھے تو معلوم ہوا کہ مفتی عظم ہند!

غالباً یہ میری پہلی زیارت تھی، دل نے فیصلہ کیا سبحان اللہ! مسئلہ ہم لوگ بھی پڑھتے ہیں لیکن صرف پڑھنے کے لیے اور یہ اللہ والے پڑھتے ہیں تو عمل کرنے کے لیے۔ آپ کے اس عمل میں اتباع شریعت کے ساتھ احیائے سنت بھی پائی جا رہی ہے؛ کہ لوگ آج کل اس سے غافل ہیں، اور مسجد میں لوگوں کی گرد نیں پھلانگنے میں کوئی خوف نہیں محسوس کرتے۔

(۲) گزشتہ صفحات میں ہم نے ایک حدیث نقل کی کہ مسجد امورِ دنیا کے لیے نہیں ہے۔ اسی حدیث کی روشنی میں حضرات علماء شرع نے مسجد میں کھانے پینے اور سونے، تجارت وغیرہ امورِ دنیا سے منع فرمایا، صرف معتکف کو جائز تھا، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مسجد آلو دہ نہ ہو؛ اور اسی لیے یہ مستحب ہے کہ آدمی مسجد میں جب بھی داخل ہو اونکاف کی نیت کرے اور پکھڑ کر الہی میں مصروف رہے۔ اگر بہ ضرورت پکھڑ کھانا پڑے تو معتکف ہونے کی وجہ سے اس کی اباحت ہوگی۔

مسئلہ شرعی ذہن نہیں کر لینے کے بعد حضرت کی احتیاط شرعی ملاحظہ ہو۔

ایک دفعہ بریلی حاضری ہوئی۔ اور رات میں قیام کا اتفاق پڑا۔ شہر کے کسی حصہ میں۔ میلاد شریف۔ کی تقریر تھی۔ حضرت کے ساتھ میں بھی

شرکیک جلسہ ہوا، جلسہ میلاد ایک مسجد میں تھا اور نہایت مختصر سامعین تھے۔

مجمع کم ہو یا زیادہ میرا بارہا کا یہ تجربہ ہے کہ جس جلسے میں حضور مفتی اعظم یا حضور حافظ ملت ہوں وہ جلسے بے حد پر کیف ہو جاتا تھا۔ تقریر خوب جمیق تھی اور مقرر اور سامع دونوں ہی کافی محفوظ ہوتے تھے۔ چنان چہ اس جلسے میں بھی روایت خوانی کے بعد میں نے تقریر شروع کی۔ مختصر تعداد کے باوجود جلسے بے حد پر کیف اور کام یاب رہا، اور آپ حسبِ معمول جلسے میں آنکھیں بند کیے تشریف فرمائے۔ کوئی خاص مقام آتا تو آنکھیں کھول کر مقرر کو دیکھ لیتے اور جب بہت تاثر ہوتا تو آنکھیں بھیگ جاتیں اور ڈبڈ بائی نظروں سے دیر تک مقرر کو تکتے رہتے۔

ختم وعظ کے بعد صاحبِ مجلس نے حاضرین کی چائے سے توضیح کی، حضرت نے چائے کی پیالی ہاتھ میں لے کر ارشاد فرمایا: ہم نے مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کر لی تھی جس نے نہ کی ہواب کر لے کہ مسجد میں غیر معتکف کو کھانا پینا منع ہے۔

بادیِ انظر میں یہ معنوی ادب ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو جو شخص شریعت کے کسی ادنیٰ درجہ کے ادب پر بھی اس شدت کے ساتھ موازنیت فرمائے؛ دیگر احکامِ شرعیہ کی بجا آوری میں اس کا کیا حال ہوگا۔ ساتھ ہی اس واقعہ سے رفع شبہ اور ہدایتِ خلق کے اہتمام کا بھی پتا چلتا ہے۔

(۳) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے، جس سے مسلمانوں کی حقیقی شان اور ان کے داعی حق ہونے کے منصب کا اظہار ہوتا ہے: من را ی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانه وان لم یستطع فقبلہ وذلک اضعف الایمان۔ (کنز العمال، حدیث ۵۵۲۲، بیت الانوار الد ولیہ، الریاض)

”تم میں سے جو کوئی برائی دیکھئے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے، اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کی برائی بیان کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں اس کو بُرَّ سمجھے اور یہ ایمان کا کم زور ترین درجہ ہے۔“

اور اسی امر کو قرآن عظیم نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے:

كُنْثُمْ خَيْرَ أَمَّةٍ أَخْرُجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمُعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (سورہ آل عمران ۹/۱۱۰)

”تم لوگ بہترین امت ہو جو انسانوں کے لیے بنائے گئے ہوتا کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دو اور برا نیکوں سے روکو۔“

مگر اسلام میں جتنی اس کی تاکید ہے۔ عام لوگ اسی نسبت سے مدعاہت اور زمانہ سازی میں بکثرت بتلا ہیں۔ خاص خاص مردان حق اور خاصان خدا البتہ ہر زمانہ میں اس فرض منصبی پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ حدیث مبارک میں ایسے ہی لوگوں کی مرح فرمائی گئی ہے:

لَا يَزَال طَائِفَةٌ مِنْ أَمْتَى عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ لَا يُضَرِّهُمْ مِنْ خَالِفِهِمْ حَتَّى يَاتِيَ أَمْرُ اللَّهِ۔

(مسند امام احمد بن حنبل، حدیث ۹۵، ۲۲۳۹۵، موسسه الرسالہ، بیروت)

”میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور اس باب میں اسے کسی کے لعنت و ملامت کی پرواہ نہ ہوگی۔“

آئین جو امردان حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو بہی

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس وصف میں اپنے اہل زمانہ میں ممتاز مشارِ الیہ تھے، چنان چہ نامکمل تھا کہ کوئی غلط بات حضرت کے سامنے ہو جائے اور حضرت اس کی اصلاح نہ فرمائیں۔

آپ کی مجلس میں تعویذ کے لیے عدوں اور عوروں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ لیکن کیا مجال کہ کسی عورت کا ہاتھ بھی بے پردہ ہو جائے، جہاں کسی سے بداحتیاطی ہوئی، اور آپ کی ڈانت پڑی، لا الہ الا اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ، اری اپنا ہاتھ ڈھانک، بے غیرت۔ مجھ بڑھے کو اپنا نگاہ ہاتھ دکھانے آئی ہے۔ اور پوری مجلس پر سناٹا چھا گیا اور سب نے اپنے کپڑے درست کر لیے۔

ایک دفعہ دو اپڑویٹ اور بے پردہ مسلمان عورتیں ساری میں ملبوس کہیں دور سے تعویذ لینے کے لیے آئیں۔ آپ نے تعویذ لکھتے لکھتے نظر جو انھائی تو نگاہ اُن پر پڑ گئی، فوراً رُخ پھیر لیا، اور سر بیچا کیے ہوئے لگ بھگ پندرہ منٹ تک ان کی سرزنش کرتے رہے۔ اندازِ کچھ زرم اور بے حد تحریر آمیز تھا۔ گویا انھیں دلی تکلیف پہنچی ہو، جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ کچھ اس طرح تھا: نہ اللہ رسول کے حکم کا خوف، نہ اپنے طرزِ معاشرت کی پرواہ، نہ

انجام کا خیال۔ اتنی دور سے تہا عورتیں چلی آئیں، ساتھ میں کوئی محرم نہیں۔ اس پر ظلم یہ کہ بے پردہ، مزید ستم یہ کہ لباس بھی مسلمانوں کا نہیں۔ ٹرینوں میں حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ ان پر کوئی زیادتی ہو تو مسلمان کیسے ان کی حمایت کریں، کسی حادثہ میں مر جائیں تو یہ کیسے پتا چلے کہ مسلمان ہیں؟ خیال فرمائیے کہ نہ مٹی نہ جنازہ یوں ہی پھونک دی جائیں گی۔ یہ سب وبال اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کا۔ وہ عورتیں بے حد شرمسار اور جذبہ ہوئیں، لیکن ان کے پاس پردے کا تو کوئی اہتمام تھا ہی نہیں؛ کرتیں کیا؟

حضرات مقررین نے کبھی جوش بیان میں کبھی نقطہ زبان سے اور کبھی لا علمی اور جہالت سے (کہ آج کل تقریر کے لیے رسولؐ علم ضروری نہیں رہ گیا ہے) دوران تقریر ایسے جملے صادر ہو جاتے ہیں جو شرعاً عقلاءً، یا زبان و بیان کے لحاظ سے قابل اعتراض ہوتے ہیں۔ اگر مفتی عظم رحمۃ اللہ علیہ استعفیٰ پر ہیں تو کیا مجال ہے کہ کوئی مقرر ایسی بداحتیاطی کر کے گزر جائے، اور آپ۔ امر بالمعروف۔ نہ فرمائیں۔ کئی بڑے خطبا سے تو برسر منبر انھوں نے تو بہ تک کرائی؛ خود اپنی زندگی میں مجھے دو مرتبہ ایسی سرزنش سے پالا پڑا ہے۔ تو بہ تک کی نوبت البتہ نہیں آئی۔

صلع گیا کے جلسہ میں ایک بار آپ کے ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا۔ رات میں تقریر کے دوران میں نے یہ کہا کہ：“اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں لفظ نور استعمال فرمایا۔” تقریر ختم ہوئی اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے، ان کے فیضِ صحبت سے مغلل بڑی پُر کیف پُر نور ہی۔ دوسرے دن ساتھ ہی گھوٹی کے لیے واپسی ہوئی، راستہ میں بڑے خوش گوار ماحدوں میں با تین ہوتی رہیں۔ اسی دوران آپ نے فرمایا：“رات آپ نے تقریر میں اللہ کے لیے عمل کا لفظ استعمال فرمایا۔ اگر کہیں قرآن و حدیث میں یہ لفظ ذات باری کے لیے آیا ہو، تب تو اس کا بولنا صحیح ہو گا ورنہ نہیں۔ امر کی تحقیق کر لیجیے گا۔” آج پندرہ بیس سال ہو گئے اور میں اس سلسلہ میں غور کرتا رہتا ہوں مجھے تو کوئی ایسا محل استعمال نہ ملا۔

دوسری بار مغربی یوپی کے ہی کسی علاقہ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا：“بدنصیب مسلمان آج کل رات میں بارہ بجے تک سینما دیکھتے ہیں اور دن میں بارہ بجے تک سوتے ہیں۔” اک بیک بازو سے میری طرف پوری طرح مخاطب ہو کر کہا نہیاں بلند آواز میں، بے حد بیزاری کے ساتھ گویا مجھ پر پھٹ پڑے：“مولانا! میں اس کو مان نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بدنصیب ہو۔ آپ اس کو بدنصیب نہ کہیے کچھ اور کہہ بیجی، حق یہ ہے کہ جس امت کے نگہ بان رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں وہ بد قسمت کیسے ہو سکتی ہے۔”

چ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پستیان

چ باک از مون بحر آن را کہ دارد چوں تو کشتیان

امت کی دیوار کو کیا غم جو تیرے جیسا سہارا رکھتی ہے اور طوفانِ نوح سے اس کو کیا خوف جو تیرے جیسا کھیون ہار رکھتی ہے۔

اور لسان و بیان کی اصلاح کا انداز بے حد دلچسپ اور پُر لطف ہوتا تھا۔ ایک دفعہ لوگوں نے آپ کے سامنے کہنا شروع کیا: طوفان (ایکسپریس) ایک بجے آرہا ہے۔ ایک بجے طوفان آرہا ہے۔ کئی بار اس جملے کوئی چکے تو فرمایا：“سبحان اللہ! بولنے کا کیا انداز ہے۔ طوفان آرہا ہے، طوفان آرہا ہے؛ میاں! کہنا ہی ہے تو یوں کہو: ایک بجے بریلی اسٹیشن سے طوفان گزر جائے گا۔” سبحان اللہ! بات وہی ہے لیکن پہلے جملے کا ظاہر بے حد بھی انک ہے اور دوسرے کا ظاہر و باطن یکساں خوش گوار، تھوڑے سے تصرف نے فتح کو حسن بناؤالا۔

فتاویٰ رضویہ، جلد سوم شائع ہوئی تو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے ایک نسخے لے کر حاضرِ خدمت ہوا۔ خیال ہوا کہ اس کا پیش لفظ شناور یا جائے، پیش لفظ میں ایک جگہ حضور اعلیٰ حضرت کے غیر معمولی قوت حافظے کے بارے میں تحریر تھا：“حافظہ اس بلا کا تھا”， پوری زندگی ہم نے اس جملے کو بار بار مقامِ مدح ہی سنا تھا۔ سن کر حضرت نے فرمایا：“واه واہ! آپ نے حضرت کے حافظے کی تعریف فرمائی ہے، یا آپ کی تنقیص کی ہے۔ آپ کا حافظ بلا کا تھا، یہ۔ بلا کون ہی چیز ہے۔” تب مجھے احساس ہوا حضرتِ والا زبان و بیان کا بھی کس درجہ طیف ذوق رکھتے تھے اور اس کی باریکیوں پر کیسی مہارت تامہ حاصل تھی!

الغرض! آپ کی بارگاہ میں شرعی لغزش ہو یا اخلاقی ولسانی؛ سب پر پوری دار و گیر ہوتی اور اعلانِ حق اور۔ امر بالمعروف۔ کا پورا پورا حق ادا کیا جاتا۔ اس ضمن میں یہاں جس خاص واقعہ کا ذکر کر رہا ہوں، وہ بھی ایک غیر معمولی وقوع ہے۔

حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک سچے مسلمان کے حوصلہ ایمانی کے ساتھ یا کوئی میدانِ عمل میں اُتر پڑے تھے اور نئی تغیرات کے سنگ بنیاد کے موقع پر ایک آل انڈیا تعلیمی کا نفرنس کا اعلان فرمائے تھے۔

کا نفیس ہوئی اور بے مثال ہوئی۔ اس میں از رہ دین پروری حضور مفتی عظیم اور حضرت مولانا سید آمیل مصطفیٰ علیہ الرحمہ بھی شریک ہوئے، کچھ عقیدت مندوں نے اہل کچھوچھے کے بائی کاٹ سے متاثر ہو کر اس خاندان کی دوسری شاخ (اہل بسکھاری) کے سجادہ نشیں معروف ہے باومیاں کو شرکت کی دعوت دی تو وہ بھی شریک ہوئے۔

علماء دیوبند کے خلاف علماء عرب و عجم کے فتویٰ کفر سے ساری دُنیا واقف ہے۔ اور اعلیٰ حضرت اور ان کے خاندان کو اس سلسلہ میں حق کی حمایت اور حق کی جنبہ داری میں جو تقدم حاصل ہے وہ کسی کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ باومیاں جن کے اجداد پر دیوبندیوں کی حمایت کا الزام تھا۔ اس جلسہ سنگ بنیاد میں شرکت کے موقع پر حضور مفتی عظیم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے دارالعلوم اشرفیہ کی چلی منزل کے مغربی کمرہ میں آئے۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو سلام کیا، مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور خود ہی تعارف کرایا ہوا گا یا کسی نے بتایا ہوگا۔ یا پہلے سے ہی حضرت کو معلوم تھا۔ بہر حال حضرت نے نہ سلام کا جواب دیا؛ نہ مصافحہ کیا۔ بلکہ فرمایا: صاحب آپ کے خاندان کے لوگ علماء دیوبند کے حامی رہے ہیں اور ان پر علماء عرب و عجم کے فتوے ہیں۔ اگر آپ بھی اس روشن میں ان کے ہی ہم راہ ہیں تو میں آپ سے کیسے سلام و کلام کر سکتا ہوں جب کہ حدیث شریف میں ایسے لوگوں سے قطع تعلق کا حکم آیا ہے؟

باومیاں نے کہا حضور میں کبراے دیوبندی تکفیر میں ساری دُنیا کے اہلِ اسلام کا ساتھی ہوں، چنان چہ اسی وقت انہوں نے اس مضمون کی اپنی دستخطی تحریر مفتی عظیم کے حضور میں پیش کی۔

اس وقت لوگوں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا، حضور مفتی عظیم نے باومیاں سے فرمایا۔ صاحب زادے آپ ذرا کھڑے ہو جائیں۔ نہ تو باومیاں یہ سمجھے کہ کیوں یہ حکم ہو رہا ہے، نہ مجلس میں بیٹھنے والے ہی۔ مگر جب حکم پا کر باومیاں کھڑے ہوئے تو حضور مفتی عظیم نے بآسانشان و جلال، بآن عظمت و تقدس و بآن ریشِ سفید و رفتہ پیری، ایک سبزہ آغاز نہ جوان (باومیاں) کا پیر دونوں ہاتھ سے کپڑا لیا۔ ڈبڈ بائی آنکھیں ان کے چہرہ کی طرف اٹھا کر فرمایا: صاحب زادے ہم تو آپ کے غلام و خانہ زادے ہیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے آپ کے ہی جدِ کریم کا دیا ہوا ہے۔ ہم نے شروع میں جو کیا آپ کے ہی جدِ کریم کے حکم کی بجا آوری اور انھیں کے دین کا پرچم بلند کرنے کے لیے کیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک چاکر اپنے مالک کے پاؤں کپڑا کراس سے معافی مانگ رہا ہے۔ اس وقت پورے مجتمع پر رقت طاری تھی اور کھلی آنکھوں سے دُنیا دیکھ رہی تھی کہ بلاشبہ حق وہدایت، اطاعتِ شرع و اتباعِ سنت انھیں بزرگوں کے دم قدم سے ہے۔

درود ہمیرے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جنہوں نے فرمایا: من رای منکم منکر افالیغیرہ بیدہ ”جو برائی دیکھے اپنے ہاتھ سے اُسے درست کرے اور سلام ہو حضور مفتی عظیم پر کہ آپ نے سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس حکم پر پوری زندگی عمل کر کے شہراہ حق قائم فرمادی۔



اصلاح عقائد و اعمال اور اہل سنت کے استحکام و فروع کے لیے کتابوں کی اشاعت اور بلا قیمت تقسیم کیجیے؛ اس کے لیے نوری مشن - مالیگاؤں سے رابط قائم کیجیے۔

Cell. 09325028586, 09923324281

